'اُردو' کے ادیبوں، دانش وروں کی بے حمیتی!

شکیل رشید ○

ہمارے اُردو کے ادیب اور دانش ور حالات حاضرہ پر زبان کھولنے کے لیے تیار نہیں۔ یہ بات افسوس کی ہے اور شرم کی بھی۔ افسوس اور شرم اس لیے کہ ادیبوں اور دانش وروں کی حیثیت ایک 'تھنک ٹینک' کی ہوتی ہے۔ منہ کھولے مسائل سے نمٹنے کے لیے یہ قوم کی ذہن سازی کرتے ہیں۔ ان کا سب سے اہم کام یہ ہوتا ہے کہ یہ 'ضمیر' کو 'زندہ' رکھتے ہیں: اپنے 'ضمیر' کو بھی اور قوم کے 'ضمیر' کو بھی ـــــ مگر سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے ادیب اور ہمارے دانش ور یہ کام جو اپنی نوعیت میں بہت ہی اہم بلکہ اہم ترین ہے، کر رہے ہیں؟

کچھ عرصہ پہلے شہر ممبئی میں اردو کے ایک بہت بڑے، شہرت یافتہ اور رجحان ساز ادیب آئے تھے، ان سے ملاقات کے لیے پہنچے اور عرض کیا: ''''ادب' پر نہیں 'حالاتِ حاضرہ' پر آپ سے بات چیت کرنی ہے''۔ انھوں نے سخت ناراضی کا اظہار کیا 'ہم تو ادب کے آدمی ہیں۔ ہم سیاست وغیرہ پر کیا بات کریں گے؟' ان کے غصّے پر حیرت بھی ہوئی اور تعجب بھی کہ اتنا بڑا ادیب، دانش ور بھلا حالاتِ حاضرہ پر گفتگو کرنے سے کیوں کترا رہا ہے؟ بہت منت سماجت پر انھوں نے بات تو کی، مگر سوالوں کے جواب بے دلی سے دیے اور جواب بھی ایسے، جو کسی مسئلے کو حل کرنے میں مفید ثابت نہ ہوسکیں۔

عام طور پر ہمارے ادیبوں کا یہی حال ہے۔

آرٹیکل ۳۷۰ کا خاتمہ ہوگیا، کشمیر میں کرفیو لگا ہوا ہے، انسانی حقوق کی پامالیاں جاری ہیں، اس خطے کا رابطہ ساری دنیا سے کاٹ کر رکھ دیا گیا ہے، مگر ہمارے ادیب اور دانش ور ہیں کہ

○ مدیر اعلیٰ، روزنامہ اُردو نیوز، ممبئی

اپنی ہی دنیا میں مگن ہیں۔ اتنا بڑا واقعہ ہوا، ساری دنیا میں اس کی گونج ہے مگر انھیں کوئی فکر نہیں۔ ان کے مقابلے میں انگریزی، ہندی، تمل، تیلگو، گجراتی اور بنگالی و مراٹھی زبانوں کے ادیب اور دانش ور حالت حاضرہ پر نہ صرف غور کرتے ہیں بلکہ پوری قوم کی رہنمائی بھی کرتے ہیں۔ یہ کشمیر پر بھی لکھ رہے اور بات کر رہے ہیں۔

ٹھیک ہے، افسانے، شاعری، تنقید اور تحقیق اپنی جگہ درست ہے، مگر ادب تو آنکھیں کھولنا سکھاتا ہے اور اپنے اطراف میں جو ہو رہا ہے اسے ایک نئے تناظر میں دیکھنے کی، جانچنے اور پرکھنے کی صلاحیت عطا کرتا ہے۔ اگر ہم عالمی ادب کا جائزہ لیں، یا عالمی سطح کے دانش وروں کو دیکھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ظلم و جبر کے خلاف آواز اُٹھانے سے وہ نہیں گھبراتے، بلکہ وہ عوام کی آواز کو بھی اپنی آواز میں شامل کر لیتے ہیں اور سب کی آوازوں سے مل کر جو آواز پیدا ہوتی ہے وہ اس قدر پُراثر ہوتی ہے کہ حکمران حالات کو بہتر بنانے پر غور کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

اردو کے ادیبوں اور دانش وروں کو کیا کبھی یہ احساس نہیں ہوتا کہ ان میں چند ہی لوگوں نے ۲۰۰۲ء میں گجرات فسادات کو اپنا موضوع بنایا ہے؟ ۲۰۱۳ء میں مظفرنگر کے فسادات اور 'ہجومی تشدد' اور فاشزم پر لکھا؟ بھارت میں 'زعفرانی لہر' کے بعد اقلیتوں کی سماجی، معاشی، تہذیبی اور تعلیمی اقدار کی شکست وریخت کو موضوع بنایا؟ عوام کے اندر پائی جانے والی بے چینی اور کشمیر کہ جہاں پیلٹ گنوں سے نکلنے والے چھرّوں سے لوگ نابینا ہو گئے ہیں، ان پر لکھا اور بات کی ہے؟ کتنے ہی موضوعات ہیں جن پر لکھنا، بولنا اور قوم کو راہ دکھانی ہے۔ فاشزم یا فسطائیت کے خلاف وہ لڑائی جو بھارت کی دوسری زبانوں کے ادیبوں اور دانش وروں نے شروع کر رکھی ہے، اس میں شامل ہو کر ایک متحدہ جدوجہد کرنی ہے۔

کیوں اُردو میں کوئی اروندھتی رائے، شیکھر گپتا، پنکج مشرا، یا چندرا گوہا پیدا نہیں ہوتے؟ جب بات حق کہنے کی آتی ہے، تب اُردو خواں اہلِ دانش کی زبانوں پر تالے کیوں پڑ جاتے ہیں؟ اب سے سو پچاس سال پہلے تو ایسا نہیں ہوتا تھا! پہلے، جب انگریز اس ملک پر قابض تھے تب ہم میں ایسے لوگ موجود تھے، جو سب کچھ سہہ کر بھی حق بولتے تھے۔ مولانا محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد، ظفر علی خاں، حسرت موہانی، کتنے ہی جگمگاتے نام ہیں، مگر آج 'کشمیر' پر ہم میں سے کوئی

نہ اروندھتی رائے کی طرح زبان کھولنے پر آمادہ ہے اور نہ کوئی رویش کمار ہی کی طرح جھوٹ کو جھوٹ ثابت کرنے کو تیار!

آرٹیکل ۳۷۰ کے خاتمے کے بعد سے اب تک، جب کہ کشمیر میں مواصلاتی نظام کو ٹھپ ہوئے ۵۰ واں دن شروع ہو چکا ہے۔ کرفیو ہے کہ مسلسل جاری ہے۔ لوگ ہیں کہ جیلوں کے اندر اس طرح سے ڈال دیے گئے ہیں کہ ان کے گھر والوں کو بھی خبر نہیں ہے۔ پیلٹ گنیں ہیں کہ رہ رہ کی چلتی اور لوگوں کے چہروں اور بدن کو بدنما بنا رہی اور بینائی چھین رہی ہیں، اور ہر جانب فوجی وردیوں کا ایک سیلاب نظر آ رہا ہے۔ کشمیر کے حالات پر رپورٹوں، تجزیوں، اور روزمرہ کی خبروں کا جائزہ لیں تو خوب اندازہ ہو جائے گا کہ سچ کو جس طرح سے اجاگر کرنا چاہیے تھا 'ہم' نے تو نہیں کیا ہے، مگر 'اُنھوں' نے کیا ہے، اور بغیر کسی ڈر اور خوف کے کیا ہے۔

اروندھتی رائے بھی تو ایک ادیبہ ہیں۔ صرف ایک ناول نگار نہیں بلکہ وہ انسانی حقوق کی عالمی شہرت یافتہ رہنما بھی ہیں۔ کشمیر پر ان کا ناول *The Ministry of Utmost Happiness* ۲۰۱۷ء میں شائع ہو چکا ہے۔ 'مسئلہ کشمیر' پر وہ آرٹیکل ۳۷۰ کے خاتمے سے بہت پہلے سے بولتی چلی آ رہی ہیں۔ ان کے ایک مضمون 'آزادی' نے حکمراں جماعتوں کی نیندیں اڑا دی تھیں۔ انگریزی ماہنامہ کارواں میں کشمیر کے تازہ ترین حالات پر ان کا ایک تجزیہ شائع ہوا، جس میں انھوں نے ۵/ اگست کے روز مرکز کا مودی سرکار کے ہاتھوں آرٹیکل ۳۷۰ کو ختم کرنے کو 'یک طرفہ فیصلہ' قرار دیا اور واضح لفظوں میں کہا ہے: ''مودی حکومت نے اپنے فیصلے سے ان بنیادی شرطوں کو تار تار کر دیا جن کی بنیاد پر جموں و کشمیر کی سابق ریاست ہندستان کے ساتھ ملی تھی''۔ محترمہ رائے تحریر کرتی ہیں: ''۴/ اگست کو پورے کشمیر کو ایک بہت بڑی جیل میں تبدیل کر دیا گیا، ۷۰ لاکھ کشمیری اپنے گھروں میں بند کر دیے گئے، انٹرنیٹ اور ٹیلی فون خدمات بھی بند کر دی گئیں''۔

وہ لکھتی ہیں: ''اطلاعات کے اس زمانے میں کوئی حکومت کتنی آسانی سے ایک پوری آبادی کو باقی دنیا سے کیسے کاٹ سکتی ہے، اس سے پتا لگتا ہے کہ ہم کس طرف بڑھ رہے ہیں۔ کشمیر کے بارے میں اکثر کہا جاتا ہے کہ یہ 'تقسیم' کے ادھورے کاموں میں سے ایک ہے۔ 'تقسیم' جس کے ذریعے انگریزوں نے برصغیر کے بیچ میں لاپروائی سے ایک لکیر کھینچ دی اور یہ مان لیا گیا کہ انھوں نے 'مکمل'

کو تقسیم کر دیا ہے۔ برطانیہ کے تحت ہندستان کے سیکڑوں رجواڑے تھے، جن سے الگ الگ مول تول کیا گیا، اور جو ریاستیں اس کے لیے تیار نہیں تھیں ان سے زبردستی منوالیا گیا''۔

معروف مؤرخ رام چندر گوہا کا کہنا ہے کہ: ''صدر جمہوریہ رام ناتھ کووند کا آرٹیکل ۳۷۰ کو ختم کرنا بالکل ۱۹۷۵ء میں [اندرا گاندھی کے] ایمرجنسی کے نفاذ کی مانند ہے۔ یہ جمہوریت نہیں، یہ آمریت ہے۔ ایسے حواس باختہ خود کو غیر محفوظ سمجھنے والے حکمرانوں کی کاریگری، جو پارلیمنٹ کے اندر یا باہر مناسب مباحثے کی جرأت بھی نہیں رکھتے''۔

اسی طرح پنکج مشرا بھی تو ادیب ہیں۔ وہ عالمی شہرت یافتہ ناول نگار اور دانش ور بھی ہیں۔ انھوں نے فاشزم کے خلاف ایک بلند پایہ کتاب Age of Anger لکھی ہے۔ کارواں ہی میں وہ ایک مضمون: ''کشمیر میں ہندستان اپنے ہی پیروں پر گولی مار رہا ہے'' میں لکھتے ہیں: ''ہر گزرتے ہفتے کے ساتھ کشمیر پر ہندستان کا کریک ڈاؤن بڑھتا جا رہا ہے۔ انٹرنیٹ اور فون کی لائنوں کو کاٹ دینے پر اکتفا نہ کرتے ہوئے بڑے بڑے سیاسی لیڈروں کو حراست میں لے کر، کرفیو نافذ کر دیا گیا ہے۔ وزیراعظم نریندر مودی کی سرکار نے اطلاعات کے مطابق ہزاروں کشمیریوں، طالب علموں اور حقوق انسانی کے کارکنوں کو بھی قیدخانوں میں ڈال دیا ہے''۔ پنکج مشرا نے کشمیر میں کیے جانے والے اقدام کو سربیا کی نسل پرستی اور وہاں کے نسل پرست لیڈر راتکو ملادیچ کے اقدامات سے تعبیر کیا ہے ـــــ وہ تحریر کرتے ہیں: ''ہندستانی میڈیا کی جانب سے ملنے والی تقریباً اجتماعی حمایت نے مودی سرکار کو بے خوف کر دیا ہے۔ تاہم، غیرملکی میڈیا کے صفحۂ اول پر، کشمیر کی خالی گلیوں میں پوری طرح سے مسلح فوجیوں کی، چھپنے والی تصویریں یہ ظاہر کر دیتی ہیں کہ یہ خطّہ پوری طرح سے فوجی تسلط میں ہے، اور اب عالمی میڈیا کھل کر مودی سرکار کو 'نسل پرست' اور 'فاشسٹ' لکھ رہا ہے''۔

سدھارتھ بھاٹیہ کا کہنا ہے: ''کشمیر میں جو ہوا اس کا مقصد کشمیریوں پر کنٹرول کرنا ہی نہیں، ان کو ذلیل کرنا بھی ہے'' ـــــ دی وائر اردو میں وہ صاف صاف لکھتے ہیں: ''ابلاغ کے سارے ذرائع کو کاٹ کر، ان کو قابو میں رکھنے کے لیے سیکورٹی اہل کاروں کا استعمال، اور روز روز کی توڑ پھوڑ کا مقصد کشمیریوں کو یہ یاد دلانا ہے کہ ان کا اپنا کوئی وجود نہیں ہے۔ ان کا ہر قدم اور وجود اقتدار کے ہاتھ میں ہے، وہ اقتدار کہ جس کی نمایندگی ایک بڑی اور ہر جگہ موجود فوج کر رہی ہے، جو ان کی

روزمرہ کی زندگی میں دخل دیتی ہے''۔

انگریزی پورٹل (ویب) The Wire نے سواگتا یادوار کی کشمیر سے ایک دل دہلانے والی رپورٹ شائع کی ہے جس میں انھوں نے کہا ہے: 'کشمیر' کے محاصرے سے وہاں 'ذہنی بیماریاں' پھوٹ پڑی ہیں۔ رپورٹ کے دو اقتباسات ملاحظہ کریں۔ ''وہ ایک کونے میں بیٹھی ہوئی ہے، ڈاکٹر کے کمرے کے دروازے کے بغل میں، کمپاؤنڈر کی میز پر پھیلے کاغذات اور بکسوں سے چھپی ہوئی۔ میں مستقبل کے بارے میں سوچ سوچ کر مایوس ہورہی ہوں، مجھے لگتا ہے کہ ہمارا کوئی مستقبل ہے ہی نہیں''۔ ۲۴ سالہ زہرا جس نے قانون کی ڈگری لی ہے اور اب ریاستی سول سروسز (جوڈیشل) کے امتحان کی تیاری کررہی ہے۔ وہ اب ڈپریشن (مایوسی) کی مریضہ ہے۔ تین برسوں سے اسے دواؤں کی ضرورت نہیں پڑی تھی، لیکن آرٹیکل ۳۷۰ کے خاتمے کے بعد اس کا اضطراب پھر لوٹ آیا ہے: ''اب میں اپنی پڑھائی پر توجہ نہیں مرکوز کر پاتی''۔ زہرا ان ۱۵ مریضوں میں سے ایک ہے، جو اعصابی امراض کے ماہر آکاش یوسف خان کے پاس بارہمولہ اس کے کلینک میں بغرض علاج آئے ہیں''۔ آرٹیکل ۳۷۰ کے خاتمے کے بعد سے حالات دشوار ہوگئے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق علاج ومعالجے کے لیے لوگوں کا آنا کم سے کم ہوگیا ہے اور ۵/اگست کے بعد ذہنی مریضوں میں سے بس چند ہی ڈاکٹروں سے مل سکے ہیں۔ نتیجے میں کشمیر میں ذہنی بیماریاں بڑے پیمانے پر پھیل رہی ہیں۔ لوگوں کو مایوسی، بے چینی اور اضطراب نے گھیر لیا ہے جسے 'ڈپریشن' کا نام دیا جاتا ہے''۔

The Quint میں آدتیہ مینن نے کشمیر میں ہونے والے احتجاجی مظاہروں کا ذکر کرتے ہوئے 'سورہ' علاقے کو کشمیر کا 'غزہ' قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''سورہ میں اسی روز سے احتجاجی مظاہرے شروع ہوگئے تھے، جس روز حکومت نے جموں اور کشمیر کے خصوصی درجے کو ختم کرنے کے فیصلے کا اعلان کیا تھا، مگر ۹/اگست کا بڑے پیمانے کا احتجاج سب سے زیادہ اہم تھا۔ اس احتجاج نے حکومت ہند کے بہت سارے دعووں کو ہوا میں اُڑا دیا:

- حکومت کے دعوے کے برعکس اس مظاہرے نے یہ دکھا دیا کہ کشمیری آرٹیکل ۳۷۰ کے خاتمے سے خوش نہیں ہیں۔
- بڑے پیمانے پر مظاہروں میں خواتین کی شرکت حکومت کے اس دعوے کے برعکس تھی کہ

کشمیری خواتین نے فیصلے کا خیر مقدم کیا ہے۔

- سیکورٹی اہل کاروں کی مظاہرین پر فائرنگ کی ویڈیو کو ثبوت مانا جارہا ہے کہ، حکومت اپنی بات منوانے کے لیے طاقت کے استعمال کے لیے بھی تیار ہے''۔

رویش کمار بھی تو ایک ادیب اور دانش وَر ہیں۔ تہذیب، قوم اور جمہوریت کے موضوع پر ان کی کتاب بولنا ہی ہے نے دھوم مچا رکھی ہے۔

پھر اس مستعفی اعلیٰ پولیس افسر کے چند جملے پیش ہیں، جو کبھی پنجاب میں 'انتہا پسندی' کے خاتمے کے لیے سرگرم تھا۔ ممبئی کے سابق پولیس کمشنر، صدارتی ایوارڈ یافتہ پدم بھوشن جولیو ایف ریبریو نے کاروان میں شائع شدہ انٹرویو میں کہا: ''فوج کو کبھی اپنے ہی لوگوں سے لڑنے کی تربیت نہیں دی گئی۔ اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ کشمیری مسلمان ہندستان کا اٹوٹ اَنگ ہے، تو آپ کو چاہیے کہ ان سے اسی طرح سے پیش آئیں''۔ کیا نریندر مودی، امیت شا وغیرہ جولیو ایف ریبریو کے مشورے پر عمل کر کے کشمیری مسلمانوں کے بارے میں ان کی بات سنیں گے، یا ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیں گے؟

یہ تو بس چند مضامین اور تجزیوں اور احوال سے لی گئی کچھ مثالیں ہیں، ایسے دانش وروں، سیاست دانوں اور صحافیوں کی، جو 'ہم' اُردو لکھنے والوں میں سے نہیں ہیں۔ اُن کی ایک بڑی تعداد 'مسئلہ کشمیر' پر زبان کھول رہی ہے، اور کشمیریوں پر جو کچھ ان دنوں بیت رہی ہے اس کا احوال پیش کر رہی ہے۔ جھوٹ کو جھوٹ کہہ رہی ہے اور حق کو حق ـــــ نہ جانے کیوں 'ہم' اُردو لکھنے والوں میں ایسے لوگ نہیں ہیں، اور اگر 'مسئلہ کشمیر' پر ہماری زبانیں کھلتی بھی ہیں، تو بڑی ہی احتیاط سے الفاظ نکلتے ہیں۔ حکومت کے موقف کی تائید تو کی ہی جاتی ہے، مگر کشمیری عوام پر جو ان دنوں بیت رہی ہے اس کا ذکر سرسری کیا جاتا ہے ـــــ کیا کوئی 'ہم' میں سے کھل کر بات کرے گا؟

اُردو کے قلم کارو! آپ کا قلم کب بولے گا؟ آپ کی زبان کب کھلے گی؟ آپ کب افسانوں اور غزلوں اور نظموں کی دنیا سے باہر نکل کر حالاتِ حاضرہ پر بھی کچھ لکھیں اور بولیں گے؟